دینی مدارس پر دہشت گردی کی تعلیم کا الزام اور اس کا ناقدانہ جائزہ

مولوی عبدالوہاب حقانی‘ مولوی شفیع اللہ ☆

جاوید احمد غامدی ہمارے ملک کے معروف سکالر ہیں‘ جن کے بیشتر افکار ونظریات متداول علمی حقوں میں متنازعہ اور متجددانہ تسلیم کیے جاتے ہیں۔ سیکولر اور لبرل حلقے ان کی آراء کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں‘ اس لیے کہ ان کی اباحیت پسندی کو غامدی صاحب کا کاندھا میسر آجاتا ہے۔ امریکہ کے حالیہ دورے میں غامدی صاحب نے ہمارے تراثِ علمی کے مین دھارے کی خوب خوب خبر لی اور دنیا بھر میں ہونے والے فساد‘ دہشت و بربریت اور سفاکی کا الزام ہمارے دینی نظام تعلیم پر ڈال دیا۔

غامدی صاحب کی گفتگو کا خلاصہ

ایک ویڈیو کلپ میں غامدی صاحب سے سوال پوچھا گیا کہ ’’پاکستان میں دہشت گردی کا سبب کیا ہے اور اس سے نجات کیسے حاصل کی جاسکتی ہے؟‘‘ جواب میں غامدی صاحب نے فرمایا کہ اس وقت جو دہشت گردی مسلمانوں کی طرف سے ہو رہی ہے اس کا سبب وہ مذہبی فکر اور thought ہے جو مسلمانوں کے مدرسوں میں پڑھایا جا رہا ہے جو ان کی سیاسی تحریکوں میں سکھایا جاتا ہے۔ اس سے متعلق چار چیزیں ہر مدرسہ پڑھاتا ہے‘ ہر مذہبی مفکر سکھاتا ہے۔ آپ کے سامنے نہ سکھائے تو بہرحال لازماً سکھاتا ہے۔ چار چیزیں کیا ہیں‘ سن لیجیے:

(۱) دنیا میں اگر کسی جگہ شرک ہوگا یا کفر ہوگا یا ارتداد ہوگا اس کی سزا موت ہے اور ہمیں یہ سزا نافذ کرنے کا حق حاصل ہے۔

(۲) غیر مسلم صرف محکوم ہونے کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ مسلمانوں کے سوا کسی کو دنیا پر حکمرانی کرنے کا حق نہیں ہے۔ غیر مسلموں کی ہر حکومت ایک ناجائز حکومت ہے۔ جب ہمارے پاس طاقت ہوگی تو ہم اس کو الٹ دیں گے۔

(۳) دنیا میں مسلمانوں کی ایک ہی حکومت ہونی چاہیے جس کو خلافت کہتے ہیں۔ الگ الگ حکومتوں کا جواز نہیں ہے۔

(۴) جدید نیشنل سٹیٹ یعنی قومی ریاست کفر ہے۔ اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

☆ اساتذۂ کلیۃ القرآن لاہور

یہ چار باتیں ہماری مذہبی فکر کی اساس ہیں۔ مجھے یہ بتائیے کہ یہ چار چیزیں آپ کو سکھادی جائیں تو آپ کیا کریں گے؟ (یعنی آپ بھی ایک دوسرے کا گلا ہی کاٹیں گے) لہٰذا جب تک اسلام کا صحیح narrative (بیانیہ) پیش نہیں کریں گے اس طرح کے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے‘ ایک کے بعد دوسرا‘ دوسرے کے بعد تیسرا۔

میرے نزدیک تین چیزوں کی ضرورت ہے‘ ورنہ یہ صورت حال مشرق وسطیٰ کو جہنم بنادے گی۔ افغان جہاد کے بارے میں کہا کرتا تھا اس وقت کوئی نہیں مانتا تھا۔ اس کے بعد پوری قوم نے مانا ہے۔ تین اقدام ضروری ہیں:

(۱) کاؤنٹر narrative کی بنیاد پر مسلمان قوم کی تربیت یعنی اسلام کا اصل narrative سامنے لایا جائے۔

(۲) دوسری بات یہ کہ دینی مدارس کا نظام بنیادی انسانی حقوق کے خلاف ہے۔ کسی تعلیم یا علم کی specialization کی تعلیم کسی بچے کو نہیں دی جاسکتی۔ ہر بچے کا پیدائشی اور بنیادی حق ہے کہ پہلے اسے بارہ سال تک broad based تعلیم دی جائے‘ اس کے بعد عالم بنے‘ ڈاکٹر بنے یا انجینئر بنے۔ دینی مدارس اس اصول پر کام کرتے ہیں کہ پانچ سات سال کے بچے کو عالم بنانا شروع کردیتے ہیں‘ لہٰذا اس کا خاتمہ ہونا ضروری ہے۔

(۳) جمعے کا منبر علماء کے لیے نہیں ہے‘ یہ ریاست کے حکمرانوں کے لیے ہے۔ اسے انہیں واپس لوٹانا ہوگا۔ یہ واپس نہیں جائے گا تو مسجدیں بریلویوں کی ہوں گی یا دیوبندیوں کی اور اہل حدیثوں کی ہوں گی‘ خدا کی کوئی مسجد نہیں ہوگی۔

غامدی صاحب کے انٹرویو کا تنقیدی جائزہ

محترم قارئین! تاریخ کی ورق گردانی سے پتا چلتا ہے کہ تمام دنیا اور پاکستان میں دہشت گردی کا اصل سبب اہلِ اسلام اور اہلِ مدارس نہیں بلکہ پس پردہ دیگر لوگ ہیں۔ کیا غامدی صاحب یہ بتانا پسند کریں گے کہ پہلی اور دوسری جنگِ عظیم میں (جن میں ہلاکتوں کی تعداد کروڑوں سے بھی متجاوز تھی) کوئی مسلمان ملک ان جنگوں کے اصل محرکات میں سے تھا؟ یا پھر دوسری جنگ عظیم کے دوران جاپان کے دوشہروں (ہیروشیما اور ناگاساکی) کو صفحہ ہستی سے مٹانے والا کون سا اسلامی ملک تھا؟ کیا غامدی صاحب کے علم میں یہ بات نہیں ہے کہ ویت نام‘ عراق‘ افغانستان‘ لیبیا اور شام وغیرہ پر حملہ کر کے کروڑوں بے گناہوں کو ہمیشہ ہمیشہ کی نیند سلانے والا کون ہے! یا پھر جس وقت سوویت یونین اپنی ساری طاقت کے ساتھ افغانستان کے نہتے عوام پر حملہ آور ہوا تھا اور وہاں اس نے لاکھوں‘ بچوں‘ عورتوں اور بوڑھوں سمیت بے گناہ شہریوں کو خون میں نہلایا تھا‘ اس وقت کون سا مسلمان ملک اس کا ساتھ دے رہا تھا؟ اسی طرح دیگر ممالک مثلاً برما‘ فلسطین وغیرہ کا حال ہے۔

جہاں تک پاکستان میں دہشت گردی کی بات ہو رہی ہے تو یہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہے کہ اس کے پیچھے کس کا ہاتھ کارفرما ہے۔ روزانہ دیگر ایجنسیوں وغیرہ کے شواہد ملتے ہیں‘ چاہے راولپنڈی میں آرمی کے GHQ پر حملے کا واقعہ ہو یا دیگر واقعات ہوں۔ کیا ان حملہ آوروں میں کوئی بھی عالمِ دین ملا ہے جس کا تعلق پاکستان کے کسی مدرسہ سے ہو؟ جب نہیں ملا اور وہ سب کے سب دنیوی اعتبار سے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور یونیورسٹیوں کے فارغ التحصیل تھے تو پھر غامدی صاحب کا یہ کہنا کہ موجودہ دور میں مسلمانوں کی وجہ سے دہشت گردی ہو رہی

ہے اور یہی سب سے بڑے دہشت گرد ہیں' کتنی بڑی ناانصافی ہے۔ لگتا ہے وہ مغرب کو خوش کرنے کی خاطر یہ کام کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے انٹرویو میں کہا ہے کہ ہر مفکر اور ہر دینی مدرسہ وتنظیم طالب علموں کو چار چیزیں سکھاتا ہے۔ آیئے ان الزامات کا جائزہ لیتے ہیں۔ ضمناً عرض ہے کہ مدارس کا موجودہ نصاب حرفِ آخر نہیں ہے' اس میں بہتری کی لازماً گنجائش موجود ہے۔ لیکن جو کچھ غامدی صاحب نے فرمایا ہے وہ درست نہیں۔

اعتراض ۱: دنیا میں جہاں بھی کفر و شرک یا ارتداد ہوگا' اس کی سزا موت ہے اور اس کے نفاذ کا حق ہمیں حاصل ہے۔

الجواب : جاننا چاہیے کہ شریعت اسلامیہ کی رُو سے غیر مسلم اپنے مخصوص عقائد و نظریات اور رہائش و سکونت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے احکام بھی جدا جدا ہیں۔ اس لیے مختصر طور پر کافر' مشرک اور مرتد کی تعریف اور ان کا حکم تحریر کرتے ہیں تاکہ ان کے درمیان فرق واضح ہو سکے۔ جبکہ غامدی صاحب نے ان سب پر ایک حکم لگایا ہے۔

کافر: وہ ہے جو علی الاعلان اسلامی اعتقادات کا منکر ہو اور اپنے آپ کو مسلمان برادری سے الگ تصور کرتا ہو' جیسے ہندو' سکھ' یہودی اور عیسائی وغیرہ۔

مشرک: وہ ہے جو چند معبودوں کا قائل ہو یا اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی حجر و شجر یا مورتی وغیرہ کو بھی نفع و نقصان کا مالک سمجھتا ہو۔

مرتد: مرتد وہ ہے جو اسلام کو چھوڑ کر کسی بھی دوسرے دین کو اختیار کر لے۔

کافر' مشرک اور مرتد کے احکام

کافر کا حکم: اگر ایسا شخص کسی غیر مسلم ملک میں رہتا ہو اور وہ ملک اسلامی مملکت سے برسرِ پیکار ہو تو یہ شخص حربی کافر کہلائے گا اور مسلمانوں پر ایسے شخص کی جان و مال' عزت و آبرو کی کسی قسم کی حفاظت کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ لیکن اگر یہ کافر کسی ایسے غیر ملک میں رہتا ہو' جس کا اسلامی مملکت سے دوستی کا معاہدہ ہو تو یہ شخص مسلمانوں کا حلیف کہلائے گا۔ اگر یہ شخص کسی دوسری مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوث نہ ہو تو مسلمان اس کی جان و مال سے تعرض نہیں کریں گے۔ چنانچہ ایسا شخص اگر مسلمان ملک میں ویزہ لے کر آئے تو یہ 'مستامن' کہلائے گا اور مسلمانوں پر اس کی جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ لازم ہوگا۔

اسی طرح اگر کافر کسی مسلمان ملک کا پُرامن شہری ہو اور شہری واجبات یعنی جزیہ وغیرہ ادا کرتا ہو اور کسی ملک و ملت دشمنی کا مرتکب نہ ہو تو یہ 'ذمی' کہلائے گا اور اس کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت و صیانت اسلامی مملکت اور مسلمانوں پر واجب ہو گی۔

مشرک کا حکم: مشرک کا حکم بھی کافر کی طرح ہے۔

مرتد کا حکم: اگر مرتد کسی غیر مسلم مملکت میں رہتا ہو تو وہ بھی عام کافر کی طرح ہے' لیکن اگر مرتد اسلامی مملکت میں رہتا ہو تو وہ ریاست اسلامیہ کا باغی ہے' اور باغیوں کی سرکوبی دنیا بھر کے فوجداری قوانین میں تسلیم شدہ ہے۔ اس کی سزا قرآنی نصوص کی بنا پر باجماعِ امت قتل ہے۔ البتہ اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ حکم صرف مرتد مرد کے

لیے ہے یا مرتدہ عورت کو بھی شامل ہے؟

مفتی رشید احمد لدھیانوی ؒ تحریر فرماتے ہیں:

’’جمہور کے نزدیک مرتد و مرتدہ دونوں واجب القتل ہیں‘ مگر حضرت امام ابوحنیفہ ؒ کے نزدیک مرتد واجب القتل ہے اور مرتدہ واجبة الحبس‘ حتّٰی تعود اِلی الاسلام اَو تموت‘‘(۱)

قتل مرتد کا مسئلہ نصوصِ حدیث‘ اجماع اور عقل سلیم سے ثابت ہے۔

عن عکرمة قال: اتی علی بزنادقة فاحرقھم، فبلغ ذلك ابن عباس فقال: لو کنتُ انا لم احرقھم لنھی رسولِ اللّٰہِ ﷺ: ((لَا تُعَذِّبُوا بِعَذَابِ اللّٰہِ))، ولقتلتُھم لقولِ رسولِ اللّٰہِ ﷺ: ((مَنْ بَدَّلَ دِیْنَہٗ فَاقْتُلُوْہُ)) (۲)

ان عثمان قال: سمعتُ رسولَ اللّٰہِ ﷺ یقول: ((لا یحل دم امرئ مسلم الا باحدیٰ ثلاث: رجل زنیٰ بعد احصانہ فعلیہ الرجم، وقتل عمدا فعلیہ القود، او ارتد بعد اسلامہ فعلیہ القتل))(۳)

اجماع صحابہؓ: کسی مسئلہ پر صحابہ کرام ؓ کا اجماع پوری امت کے نزدیک حجت قطعیہ ہے۔ افضل الخلائق بعد الانبیاء سیدنا صدیق اکبر ؓ کی خلافت منعقد ہوتے ہی سب سے پہلے جس مسئلہ پر پوری جماعت صحابہ کرامؓ کا قولاً‘ عملاً‘ سکوتاً ہر پہلو سے اجماع منعقد ہوا وہ قتل مرتد کا مسئلہ ہے۔ حضرت علی ؓ فرماتے ہیں:

یُستتاب المُرتدّ ثلاثًا، ان عاد یُقتل (۴)

’’مرتد کو تین روز تک توبہ کی مہلت دی جائے‘ اگر اسلام قبول کر لے تو بہتر‘ ورنہ قتل کر دیا جائے۔‘‘

خلاصہ: اس صراحت سے بالکل واضح ہو گیا کہ مرتد کی سزا کا معاملہ خاص ہے جس کے لیے اسلامی ریاست کا وجود میں آنا پہلی شرط ہے۔ اور یہ سزا بھی ریاست نافذ کرے گی نہ کہ افراد۔ نیز یہ کہ قتلِ مرتد کا مسئلہ امتِ مسلمہ میں نہ کبھی مختلف فیہ تھا‘ نہ اب ہے۔

جبکہ غامدی صاحب کے فرمان کے مطابق ’’دنیا میں جہاں کفر و شرک وارتداد ہو گا‘ اس کی سزا موت ہے‘‘ حالانکہ مذکورہ بالا اقوال سے خوب معلوم ہوا کہ ان کے احکام میں فرق ہے۔ البتہ ارتداد کی سزا قتل ہے اور یہ سزا تب دی جائے گی جب اسلامی خلافت قائم ہو۔ اور جب اسلامی خلافت ہو تو اس کا حق بھی مسلمانوں کو حاصل ہو گا۔ اسی لیے مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں:

’’جب ایک شخص ایک مرتبہ اسلام میں داخل ہو گیا اور اسلام کے محاسن سے وہ آگاہ ہو گیا اب اگر وہ اسلام کو چھوڑتا ہے تو دارالاسلام میں رہتے ہوئے اس کا یہ عمل فساد کا موجب ہے‘ اگر اسلام چھوڑتا ہے تو دارالاسلام سے نکل جائے اور دارالحرب چلا جائے اور وہاں جو چاہے کرے‘ کیونکہ اس پر وہاں ہماری ولایت ہی نہیں ہے۔‘‘(۶)

اعتراض ۲: ’’غیر مسلم صرف محکوم ہونے کے لیے پیدا کیے گئے ہیں‘ انہیں حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں‘ جب بھی موقع ملے گا‘ ان کا تختہ اُلٹ دیں گے۔‘‘

الجواب : غامدی صاحب نے یہ بات شاید مسلمانوں کے خلاف کافروں کو بھڑکانے کے لیے کی ہو' ورنہ نہ تو دینی مدارس اور دینی تنظیموں میں یہ تاثر دیا جاتا ہے اور نہ ان چیزوں کی تعلیمات دی جاتی ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ اس دنیا میں انسان کو خلیفہ اور نائب بنا کر بھیجا گیا ہے' جو بھی اس پاکیزہ منصب کو اختیار کرے گا' اسے اعلیٰ مقام حاصل ہوسکتا ہے' وہ دنیا کا حکمران بن سکتا ہے اور محکومیت کے دائرہ سے نکل سکتا ہے۔ کافرو مسلم سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں' اور والد کا حقیقی جانشین وہی ہوسکتا ہے جو اس کے نقشِ قدم پر چل رہا ہو۔ اب ہر انسان حاکم بن سکتا ہے بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی کو قبول کرے۔

اعتراض ۳: ''دنیا میں مسلمانوں کی ایک ہی حکومت ہونی چاہیے' جس کو خلافت کہتے ہیں' الگ الگ حکومتوں کا جواز نہیں ہے۔''

الجواب : اسلام میں خلیفہ اور خلافت کا تصور کسی سے مخفی نہیں ہے' جس کا ماحصل یہ ہے کہ مسلمانوں کا ایک نقطۂ اجماع ہونا چاہیے تاکہ بوقت ضرورت مشکل وقت میں وہاں پر اکٹھے ہوسکیں اور کفار کو ان کی طاقت کا اندازہ ہو تاکہ کوئی ان پر یورش کی جرأت نہ کرسکے۔ اس کا یہ مقصد نہیں کہ تمام مسلمان ممالک کو یکسر ختم کر کے ایک مشترکہ ملک بنا دیا جائے' بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ خلیفہ اور امیر المؤمنین ایک مرکزی جگہ پر ہو یعنی ایک مرکز ہو اور دوسرے تمام ممالک اور علاقہ جات اپنے اپنے علاقوں میں خودمختار ہونے کے باوصف اس کے ماتحت ہوں' جیسا کہ بنوعباس کے دور میں اصل خلیفہ تو عراق میں تھا اور اس وقت اسپین میں اموی' افریقہ میں ادریسی' خراسان میں دولت طاہریہ' طبرستان میں علوی' مصر میں فاطمی وغیرہ اپنے اپنے علاقوں میں بادشاہ اور حکمران رہے۔ اسی طرح خلافت عثمانیہ کے دور میں خاندان غلاماں' خلجی سلطنت' تغلق سلطنت' لودھی سلطنت اور مغلیہ حکمران بھی موجود تھے' لیکن سب کے سب مسلمان خلیفہ کے نام پر متحد تھے۔

تصورِ خلافت کے مذکورہ بالا بیان سے تو معلوم ہوتا ہے یہ دین اسلام کا ایک خصوصی امتیاز ہے کہ پوری دنیا کے مسلمان ع ''ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے' نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر'' کا آئینہ دار ہوں۔ لیکن غامدی صاحب اسے بھی الزامی رنگ میں پیش کر رہے ہیں۔ آخر وہ کسے خوش کرنا چاہتے ہیں؟

اعتراض ۴ : ''جدید نیشن اسٹیٹ یعنی قومی ریاست کفر ہے' اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔''

الجواب : جاننا چاہیے کہ قومی ریاست سے مراد ایسی ریاست ہے جہاں ایک رسم و رواج' زبان' تاریخ اور دیگر نظم وضبط اور قوانین کے پابند لوگ ایک (سیاسی) حکومت کے تحت زندگی گزار رہے ہوں۔ یہ نیشن سٹیٹ کی معروف ترین تعریف ہے۔ تو جاننا چاہیے کہ ایسی قومی ریاست مطلقاً کفر نہیں ہے' بلکہ اگر ایسے لوگ اپنے ملک میں انفرادی و اجتماعی معاملات میں حتی الوسع دینی احکام و عبادات پر کاربند رہیں تو اس ریاست کو کفری ریاست نہیں کہا جاسکتا۔ احسن الفتاویٰ میں ہے کہ:

> ''...اس لیے کہ جس ملک میں اگرچہ عملاً احکامِ اسلام کا نفاذ نہ ہو مگر وہ تنفیذِ احکام پر قدرت رکھتے ہوں تو وہ دار الاسلام ہے' اس معنی سے اسے اسلامی ملک بھی کہا جاتا ہے' مگر ایسے ملک کی حکومت کو اس وقت تک حکومت اسلامیہ نہیں کہا جاسکتا جب تک کہ وہ احکام اسلام کی تنفیذ نہ کرے۔'' (۷)

البتہ اگر قومی ریاست میں ایسا ''جمہوری'' نظام رائج ہو' اور اس میں تمام اختیارات (حلال وحرام وغیرہ کے) بندوں کو حاصل ہوں تو شریعت میں اس کی گنجائش نہیں۔

ہمیں چاہیے کہ اسلامی نظامِ خلافت کے لیے کوشش کریں' یہی مکمل شرعی نظام کہلائے گا۔

مسلمانوں کے لیے لمحۂ فکریہ

جاننا چاہیے کہ اسلام کا مفہوم وہ معتبر ہے جو قرآن وحدیث' صحابہ کرام ﷢' ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین نے سمجھایا ہے۔ وہ مفہوم معتبر نہیں جو یہود ونصاریٰ کی منظورِ نظر تعبیرات کے حوالے سے بعض نام نہاد دانشور سمجھانے کی سعی فرما رہے ہیں۔

اپنی گفتگو کے دوسرے حصے میں موصوف فرماتے ہیں کہ اگر ان کے تجویز کردہ اقدامات پر عمل کیا جائے تو سب مسائل حل ہو جائیں گے۔

(۱) کاؤنٹر narrative کی بنیاد پر مسلمان قوم کی تربیت یعنی اسلام کا اصل narrative سامنے لایا جائے۔ غامدی صاحب کا یہ 'جوابی بیانیہ' پاکستان کے ہر باشعور اور سنجیدہ صاحب علم نے رد کر دیا ہے جس سے اب موصوف 'رینڈ کارپوریشن' کے ماسٹر مائنڈز کی نگرانی میں عام عوام کی لاعلمی کی بنا پر فائدہ اُٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

(۲) موصوف کی تشخیص یہ ہے کہ مدارس کا موجودہ نظام انسانی حقوق کے خلاف ہے' یہ چھوٹی عمر میں بچوں کو تخصصات کراتا ہے...... حالانکہ یہ سو فیصد جھوٹ ہے۔ اس لیے کہ ۵ یا ۶ سال کے بچے تو قاعدہ وغیرہ پڑھتے ہیں' ان کو اس دور میں کون سے مدرسے والا عالم بناتا ہے یا ان کو کون کون سے تخصصات وغیرہ کرائے جاتے ہیں؟ غامدی صاحب ان کی نشان دہی تو فرمائیں۔ عام طور پر مدرسہ میں طلبہ مڈل پاس آتے ہیں یا میٹرک پاس' اور ان کی عمریں ۱۵' ۱۶ سال ہوتی ہیں۔ اور پھر مزید آٹھ تا دس سال درس نظامی کی تعلیم حاصل کرتے ہیں' تب اگر کوئی طالب علم تخصص کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ اور ظاہری بات ہے کہ اس وقت ان کی عمریں ۲۲' ۲۳ سال ہوں گی۔

(۳) موصوف کی تیسری تجویز یہ ہے کہ جمعہ کا منبر ومحراب ریاست کے حکمرانوں کی طرف لوٹانا چاہیے۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے' لیکن اسے اپنا ہی مفہوم پہنانا کران کا باطل ارادہ صاف دکھائی دیتا ہے۔ جن حالات کی جانب غامدی صاحب کی اس تجویز میں التفات ہے وہ اسلامی خلافت تھی' جو خلافت کے تقاضے پورے کرتی تھی' کوئی کم اور کوئی زیادہ۔ لیکن کیا شک ہے کہ اب اسلامی خلافت برقرار نہیں۔ اب حکمران منبر ومحراب کی ذمہ داری تو دور کی بات ہے' نکاح وجنازہ بھی خود نہیں پڑھا سکتے۔ اگر کوئی اس کا اہل ہے تو بسم اللہ کرے! اور کیا چاہیے؟ نیز اب اگر وہ نظام دوبارہ قائم ہو جائے تو یہ سارے اختیارات ان حکمرانوں کو دوبارہ مل جائیں گے۔ علماء کرام انبیاء و رسل کے وارث ہیں۔ جناب نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ((اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ)) چونکہ جناب نبی کریم ﷺ اور خلفاء راشدین منبر ومحراب کے حقدار تھے اس لیے یہ منصب انبیاء کرام کے وارثوں کے سپرد رہا' نہ کہ جاہلوں کے۔ بہرحال منبر ومحراب کی ذمہ داری اس وقت حکمرانوں کے سپرد تھی جب اسلامی خلافت قائم تھی' جب وہ ختم ہوئی تو حکمرانوں کے ایسے اختیارات بھی از خود ان مناصب سے ختم ہوتے چلے گئے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دین اسلام کی درست فہم کی توفیق عطا فرمائیں اور بے دینی کے نت نئے فتنوں سے محفوظ فرمائیں۔ آمین ثم آمین!

قارئین کی یاددہانی کے لیے غامدی فکر کے چند اور نادر نمونے بھی پیش خدمت ہیں تاکہ اس فکر کی خوب شناخت ہو سکے:

(۱) قرآن مجید کی صرف ایک قراءت باقی ہے' باقی سب فتنہ عجم کی باقیات ہیں' چنانچہ شمالی افریقہ کے ممالک میں جو قرآن پڑھا جاتا ہے وہ جائز نہیں۔ (۸)

(۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔ (۹)

(۳) قربِ قیامت کوئی امام مہدی نہیں آئے گا۔ (۱۰)

(۴) شراب نوشی پر اسلام میں کوئی حد نہیں ہے۔ (۱۱)

(۵) زانی یا زانیہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ' ہر حالت میں اس کی سزا سو کوڑے ہیں۔ (۱۲)

(۶) سنت (جس کی تعریف بھی خود ساختہ ہے) قرآن پر مقدم ہے۔ (۱۳)

(۷) عورت مَردوں کی امامت کرواسکتی ہے۔ (۱۴)

(۸) مَردوں کے لیے داڑھی رکھنا کوئی ضروری نہیں ہے۔ (۱۵)

(۹) مسلمان لڑکی کی شادی ہندو لڑکے سے جائز ہے۔ (۱۶)

(۱۰) ہم جنس پرستی ایک فطری جذبہ ہے' اس لیے اس کی نالش نہ کی جائے۔ (۱۷)

حواشی

(۱) احسن الفتاویٰ' ج٦' ص ٣٧١۔

(۲) صحیح البخاری' ج١' ص ٤٢٣۔ ج٢' ص١٠٢٣۔ وسنن النسائی' ج٢' ص ١٦٩۔ وسنن ابی داوُد' ج٢' ص ٢٥٠۔ وسنن الترمذی' ج١' ص ٢٣٠۔ بحواله احسن الفتاویٰ' ج٦' ص ٣٧١۔

(۳) سنن النسائی' ج٢' ص ١٦٨۔ وسنن ابن ماجه' ص ١٨٢ بحواله احسن الفتاویٰ' ج٦' ص ٣٧٤۔

(٤) ابن ابی شیبه' ج١٠' ص ١٣٨۔ (٥) احسن الفتاویٰ' ج٦' ص ٣٨٧۔

(٦) تقریر ترمذی' ج٢' ص ١١٥۔ (٧) احسن الفتاویٰ' ج٦' ص ٢١۔

(٨) میزان ص ٢٥'٢٦ طبع دوم' اپریل ٢٠٠٢ء۔

(٩) میزان' حصه اول' ص ٢٣' مطبوعه ١٩٨٤ء۔ (١٠) اشراق' جنوری ١٩٩٦ء۔

(١١) برهان' طبع چهارم' ص ١٣٨' جون٢٠٠٦ء۔

(١٢) میزان' ص ٢٩٩' طبع دوم' اپریل ٢٠٠٢ء۔

(١٣) میزان' ص ٥٢ طبع دوم' اپریل ٢٠٠٢ء۔ (١٤) اشراق' ص ٣٥' مئی ٢٠٠٥ء

(١٥) www.urdu.understanding-islam.org

(١٦) www.urdu.understanding-islam.org

(١٧) المورد کے انگریزی مجلہ Renaissance کے شمارہ اگست ۲۰۰۵ء میں اسی موضوع پر ایک مکمل مضمون موجود ہے۔

❀❀❀